فکر و نظر۔۔۔۔ اسلام آباد　　　　جلد: ۳۷　شمارہ: ۱

تعارف و تبصرہ کتب

کتاب : The image of the Prophet Muhammad(P.B.U.H) in the west.1417/1996

(سرور کائنات ﷺ کی شخصیت مغرب کی نظر میں)

مصنف : Dr. Jabal M. Buaben

پبلشرز : Islamic Foundation, Liester-U.K.

صفحات : 394-Including Bibliography and index

تبصرہ : ڈاکٹر محمود احمد غازی

ترجمہ : پروفیسر سعید اکرم ☆

رسالت مآب حضرت محمد ﷺ کی سیرت پر بحث کا سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا خود سیرت کا علم، آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کے بعد دوسری صدی ہجری کے اوائل ہی سے آپ کی سیرت پر تحقیق کے کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ نیز حدیث اور تاریخ اسلام کے علاوہ آپ کی حیات طیبہ، آپ کے حسن کردار اور دین کے اندر اختلاف رائے جیسے موضوعات پر بحث کا سلسلہ بھی اسی دور سے شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ شروع میں سیرت کے موضوع پر پیش رفت زیادہ تر معتزلہ اور دوسرے فلاسفروں کے ساتھ تنازعات کے زیر اثر رہی لیکن بعد میں جوں جوں وقت گذرتا گیا مختلف علماء کی تحقیق اور ان کی اپنی آراء کی بدولت یہ موضوع زیادہ نمایاں ہو کر پھیلتا چلا گیا۔

جہاں تک برصغیر میں سرکار دوجہاں ﷺ کی سیرت کی بحث کا تعلق ہے، انگریزوں کی اس خطے میں آمد سے اس نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ اس سلسلے میں ولیم مور کی مشہور کتب "دی لائف آف محمد" نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ

☆ شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج چکوال

یہی وہ مقام ہے جہاں سے اردو میں سیرت نگاری کی صنف کا آغاز ہوتا ہے۔ سرسیّد احمد خان جو علی گڑھ کے تعلیمی ادارے کے بانی تھے کے ہمراہ چراغ علی، خدابخش، اور شبلی نعمانی جیسے علماء وہ پہلے لوگ تھے جو سیرت پر بحث کے میدان میں اتر کر اس کے دفاع میں سب سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے اور بعد میں سیّد امیر علی، سلیمان منصور پوری اور سیّد سلیمان ندوی نے اپنے پیش رو حضرات کے کام کو پوری کامیابی سے آگے بڑھایا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ مسلمان علماء کی ایک مستقل ٹیم ترتیب پاتی چلی گئی جس نے اس ضمن میں مغربی مفکرین کی تحریروں کا خوب تنقیدی جائزہ بھی لیا اور ان کا مدلل جواب بھی دیا۔ یہاں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نہ ولیم مور ہی آخری مغربی مصنف تھے جنہوں نے حضور ﷺ کی شخصیت پر ناقدانہ اظہار خیال کیا اور نہ ہی سرسیّد احمد خان آخری مسلمان مفکر تھے جنہوں نے اس کے دفاع کا حق ادا کیا۔ یہاں ہمیں گذشتہ ایک صدی کے دوران خاصی تعداد میں ایسے مغربی مفکرین بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی شخصیت اور آپ کے پیغام کی خوب تعریف کی۔ تاہم رسالت مآب ﷺ کی سیرت پر تنقید کرنے والوں کی تنقید زیادہ تر انہی اعتراضات اور غلط فہمیوں کے گرد گھومتی رہی جو ولیم مور اور اس کے جانشینوں نے اٹھائے تھے۔ پھر بعد میں ان غلط فہمیوں کو اتنا زیادہ اور اتنے تسلسل سے دہرایا گیا کہ وہ غلط فہمیاں مسلمانوں کی دلآزاری کا ایک مستقل ذریعہ بن کر رہ گئیں۔ یوں نظر آتا ہے کہ مغربی نقادوں کی ان کوششوں کے جواب میں مسلمانوں کا رد عمل مغرب کے ناقدین تک پہنچنے میں ناکام رہا یا ان کے ضمیر پر اثرانداز ہی نہ ہو سکا۔

زیر نظر کتاب اس سلسلے میں ایک اہم باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک پختہ یقین اور والہانہ شوق کے حامل ادیب کے جاندار قلم سے تحریر یہ کتاب اعلیٰ علمیت اور جذباتی بخشوں کا ایک حسین امتزاج ہے۔ مصنف نے پیغمبر رحمت ﷺ کے متعلق مغرب میں پائے جانے والے تاثر کا تنقیدی جائزہ لینے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ کے پیغام سے متعلق مغربی مفکرین کے تین زاویہ ہائے نظر کا انتخاب کیا ہے۔

سر ولیم مور کا پیش کردہ نقطہ نظر عیسائیت کے اس مفروضے کی پیداوار ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عیسائیت ہی سچ ہے اور سچ خدا ہے۔ اس لیے کوئی سچ (اس طرح خدا بھی) عیسائیت سے باہر کہیں موجود نہیں۔ عیسائیت سے باہر صرف شیطان (خدا مخالف) ہے اس لیے اسلام شیطان کی کارروائی تھی اوراس لیے محمد ﷺ بھی (نعوذ باللہ) اس کی تحریک کا نتیجہ تھے۔

دوسرا نقطہ نظر جو ڈی۔ ایس مارگولیتھ کا پیش کردہ ہے۔ وہ بھی پہلے نقطہ نظر سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ ان کا نظریہ قرون وسطی کے ان پادریوں کے اس موقف پر مبنی ہے۔ جس کے مطابق وحی صرف عیسائیت کے لیے مخصوص ہے۔ ''چونکہ قرآن میں کچھ یہودیوں اور کچھ عیسائیوں جیسی تعلیمات موجود ہیں۔ اس لیے اس میں کچھ سچائی ہے''۔ مارگولیتھ کی یہ فکر یہ ثابت کرنے کی ایک کوشش نظر آتی ہے کہ اسلام میں جتنی سچائی ہے وہ سب پرانے صحیفوں سے لی گئی ہے اور اس میں باقی سب کچھ کسی غور کے قابل قطعاً نہیں۔

تیسرا نقطہ نظر ڈبلیو ۔ایم ۔منٹگمری واٹ کا ہے۔ اس کے مطابق اسلام ایک فلسفیانہ نظام ہے جس میں کچھ ایسی شہادتیں موجود ہیں جو حقائق کی نشاندھی کرتی ہیں۔ بہر حال منٹگمری واٹ کی تحریروں کا اسلامی دنیا میں کافی مطالعہ کیا گیا اور اس کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ اس نے اسلام میں موجود حقائق و براہین کا برملا اعتراف کیا۔

کتاب کے مصنف نے مغرب کے ان تین نمائندہ نقادان سیرت کا اس لیے انتخاب کیا ہے کہ ان کا پیغمبر ﷺ اور ان کے پیغام کے متعلق تنقیدی نقطہ نظر مغرب میں پہلے سے موجود نقطہ ہائے نظر سے کافی مماثلت رکھتا ہے۔ مصنف نے ایک مختصر تعارف کے بعد ان تینوں نقادوں پر باری باری بحث کی ہے۔ یہاں ہر تعارف سرسری اور قدرے ناکافی نظر آتا ہے کیوں کہ قاری پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق نقطہ نظر پر مبنی ایک ایسے بھرپور اور جامع تنقیدی مضمون کی توقع کرتا ہے جو کم از کم مصنف کے متعین کردہ عہد اور جغرافیائی حدود کے مطابق ہو۔ یہ تعارف اگر کتاب کے موضوع سے متعلق مسلمان

علماء کی تحریروں کے ایک مختصر جائزے کا حامل ہوتا تو یہ اور بھی زیادہ موثر اور زور دار ثابت ہو سکتا تھا۔

مغرب سے تعلق رکھنے والے سیرت کے ان تینوں نقادوں سمیت مغرب کے مختلف اسکالرز نے رسالتمآب ﷺ پر تنقید کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کے جواب میں صرف برصغیر کے اندر گذشتہ ایک سو سال کے دوران سیرت کے موضوع پر خاصا ادب تخلیق ہو کر سامنے آیا ہے۔ مثال کے طور پر سیّد سلیمان ندوی نے مارگولیتھ کے ساتھ تاریخی مناظرہ کیا جس کی کم از کم برصغیر کے اندر مارگولیتھ کے اٹھائے گئے سوالات کے خوبصورت جوابات کے طور پر بڑی پذیرائی ہوئی۔ اگر کتاب کے تعارف میں اس قسم کی کوشش کی جاتی تو کتاب کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی۔

ولیم مور پر بحث کے آغاز میں کتاب کے مصنف نے اس برطانوی اسکالر کے طریق کار کا جائزہ لیا ہے اور اس کے حاصل کردہ مواد کی درجہ بندی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہاں اس نے ولیم مور کے ایک پیرے کا حوالہ دیا ہے جو آغاز اسلام کے بارے میں اکٹھے کیے گئے مواد کی اتھارٹی اور اس کی تاریخی حیثیت کو اور بھی واضح کر دیتا ہے۔ مور کہتا ہے "ہمارے ہاں کتاب، مواد صفحہ قرطاس پر منتقل ہونے کے بعد تشکیل پاتی ہے۔ اس عمل میں حافظہ پر انحصار کیا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی۔ عربوں کے ہاں ان کا حافظہ ہی کتاب ہوا کرتا ہے۔ اس کا تعلق تحریر سے بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی" (صف ۲۳)۔

یہ عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر جابل بیوبن اگرچہ اس بیان کو متنازعہ خیال کرتا ہے پھر بھی اسے قبول کر لیتا ہے اور جس بات پر مور نے روایات کے تجربے میں "معقول منطقی تشویش" کا اظہار کیا ہے وہ اس کا انکار نہیں کرتا۔

اس بات کی خاصی شہادت موجود ہے کہ جھوٹی روایات کا ارتکاب تمام تر بددیانت لوگوں نے نہیں کیا"۔

مذکورہ بیان کی تائید میں مصنف بخاری کا حوالہ دیتا ہے جس نے اپنی روایات کا انتخاب اس وسیع تر مواد سے کیا جو اسے اس وقت میسر آیا۔ یہاں قاری ان دونوں باتوں

کے درمیان کوئی تعلق قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

پہلی صدی ہجری سے ہی معتبر اور غیر معتبر روایات کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کا مسئلہ خاصی تشویش کا باعث بن گیا تھا۔ ضروری نہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ کسی کتاب کے مرتب کرنے والے نے جن روایات کو شامل نہیں کیا وہ سب جھوٹی تھیں۔ اس طرح یہ دعویٰ بھی کہ بخاری نے ہزاروں روایات کو رد کر دیا تھا، معتبر نظر نہیں آتا۔

مصنف نے مغرب کے جن تین نقادان سیرت کا انتخاب کیا ہے وہ اگرچہ تینوں برابر غور کیے جانے کے مستحق ہیں، پھر بھی مصنف نے تینوں کے ساتھ جہاں تک بحث کی طوالت کا تعلق ہے مساویانہ سلوک نہیں کیا۔ اس سلسلے میں سب سے کم ولیم مور اور سب سے زیادہ اہمیت منٹگمری واٹ کو دی گئی ہے۔

تیسرے باب کا تعلق ڈی ۔ ایس ۔ مارگولیتھ سے ہے۔ اس کی کتاب **Mohammad and the rise of Islam** نے اس صدی کے آغاز میں مسلم دنیا کے تعلیمی حلقوں میں ہلچل مچا دی تھی۔ مصنف اس بات کا آغاز ایک یہودی پادری کے ذکر سے کرتا ہے جو بعد میں عیسائی بن گیا تھا۔ اور پھر اسلام پر اس کی تحریروں کے جائزے کے ہمراہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر اس کی مذکورہ کتاب پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ جن ذرائع سے اس نے معلومات اخذ کی ہیں انہیں نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے نظریات کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مغربی سیرت نگاروں کے ہاں نبی کریم ﷺ سے منسوب ایک مشترکہ لیکن بے بنیاد موضوع مرگی کے جھٹکے بھی رہا ہے۔ مارگولیتھ نے تو اسے بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف اس بات کا بھی خوب ذکر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد وحی قرآن کی حقیقت ، نبوت ، اوہام ، بت پرستی ، شیطانی آیات (کئی مغربی مصنفین کا مرغوب موضوع) قرآن کے بائبل سے مستعار خیالات، نبی کریم ﷺ کی زندگی کا اخلاقی پہلو اور آپ ﷺ کے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ تعلقات جیسے عنوانات پر بھی اس کے نظریات کا ذکر کیا گیا ہے۔

مارگولیتھ کے ان اور دوسرے کئی زیر بحث لائے گئے نظریات کا مصنف نے اس باب میں خلاصہ بیان کیا ہے۔ یہاں قاری مارگولیتھ کے اخذ کردہ نتائج پر مصنف سے ایک تفصیلی تنقیدی جائزے کی توقع کرتا ہے مگر مصنف اپنے آپ کو صرف مختصر اور کہیں کہیں سرسری مشاہدات تک محدود رکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے۔

چوتھے باب میں انگریزی زبان میں بیسویں صدی کے دوران نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر تحریر کیے گئے ادب کا ایک جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کا پہلا اور قدرے چھوٹا حصہ اس صدی کے پہلے پچاس سالوں کے مطالعہ کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس مختصر حصے میں پرنس کیتانی، ایڈورڈ سیل، ہنری لیمن، رچرڈ بیل، ایمل ڈرمنگھم، تھوڈرا یارٹن، اے۔ جے ونیسنگ، ٹارانڈریو اور گب کی تحریروں کے مختصر حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر حوالے راڈنس کے مقالے **A Critical survey of Modern studies on Mohammad** جو منور احمد انیس کی کتابوں **Studies in Islam** اور **Guide to seerah and Hadith Literature in Western Languages** میں ایک باب کے طور پر شامل ہے، سے لیے گئے ہیں۔ مذکورہ بالا انگریز مصنفین کے علاوہ کئی غیر انگریز مصنفین کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن لگتا ہے وہ بھی زیادہ تر راڈنس اور منور احمد انیس پر انحصار کرتے ہیں۔

چوتھے باب کا دوسرا حصہ جو قدرے طویل ہے(۱۴۲۔۱۶۷) بلیشر، وائڈنگرن، گلیوم، کینتھ گریک، نارمن ڈینیل، پائن، سی۔ سی ٹورے، ای۔ آر پائکس، گلب پاشا، راڈنسن اور مائیکل کک سے متعلق ہے۔ اس حصے کا مقصد بھی واٹ کے مطالعہ کے لیے ایک پس منظر تیار کرتا ہے۔ یہ باب واٹ کے ایک نوٹ پر ختم ہوتا ہے(۱۵۴۔۱۵۹) اس سلسلے میں ڈاکٹر بیومن ان چند ہم عصر مسلمان مصنفین کا بھی ذکر کرتا ہے جو واٹ کے متعلق اچھے جذبات اور خیالات رکھتے ہیں۔

کتاب کا آخری اور طویل ترین باب (۱۶۹۔۲۴۵) منٹگمری واٹ کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ یہ ایک مشہور سکاٹش پادری تھا۔ اس نے بعد میں مشرقی علوم میں بڑا نام پیدا کیا۔

اور یہی وجہ ہے کہ اب وہ مغرب میں پیغمبر ﷺ پر ایک سند تسلیم کیا جاتا ہے۔

یہ باب واٹ کی زندگی کے ایک مختصر خاکے، اس کے تعلیمی کیریئر اور اسلام پر اس کی تحریروں کے ایک مختصر جائزے سے شروع ہوتا ہے۔ اس باب میں کتاب کے مصنف نے اپنے آپ کو محمد ﷺ پر واٹ کی تحریروں کے مطالعہ تک ہی محدود نہیں رکھا، اس نے اس حصے میں واٹ کی، دینیات اور قرآنیات سے لے کر سیاسیات اور آئین جہانبانی سے متعلق نگارشات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ اسلام پر واٹ کی تحریروں کا جائزہ بڑا جامع نظر آتا ہے۔ واٹ نے ایسے موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا ہے جن کا حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ بلاواسطہ یا بالواسطہ کوئی تعلق نہیں۔ یہ تبصرہ بڑا متوازن ہے اور بیسویں صدی کے اس معروف ادیب کی اسلام کی تعلیمات کے سلسلہ میں خدمات کے اعتراف کی ایک خوبصورت کوشش ہے۔ کتاب کے اس حصے میں مصنف کا لہجہ، اس کے میلان بلکہ اس کے ثنا خوانہ انداز کا ایک واضح ثبوت ہے۔ اس نے ان تنقیدی جائزوں اور تبصروں کا ایک سروے بھی پیش کیا ہے جو واٹ کی تحریروں پر مختلف ادبی رسائل میں مختلف اوقات میں چھپتے رہے۔ گویا اس باب میں مصنف نے ان تبصروں کی ایک جامع تلخیص بھی پیش کر دی ہے۔

اسلام پر واٹ کی تحریروں کے ایک طویل سروے اور مختلف جرائد میں چھپے تبصروں اور تنقیدی جائزوں (۱۶۹۔۲۲۰) کا حوالہ دینے کے بعد کتاب کا مصنف، کتاب کے اصل موضوع پر واٹ کی دو خوبصورت اور قابل غور تحریروں "محمد مکہ میں" اور "محمد مدینہ میں" پر اپنے تبصروں سے بحث کا آغاز کرتا ہے۔ وہ مقالے "محمد ﷺ مکہ میں" کی تدوین کے ایک معائنے کے بعد واٹ کے ان ذرائع اور وسائل پر بحث کرتا ہے جن سے اس نے کتاب کی تحریر و تدوین کے ضمن میں استفادہ کیا ہے۔ واٹ کے ان وسائل پر بحث کے دوران میں مصنف ان بے قاعدگیوں کی بھی نشاندہی کرتا ہے جو بعض احادیث کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں اس سے سرزد ہوئیں۔ یہاں مصنف واٹ کے اپنے وسائل پر اس کی اپنی بحث کا خلاصہ بھی پیش کرتا ہے۔ عجیب لگتا ہے کہ مصنف، واٹ کے اپنے مطالعہ کے

سلسلہ میں حدیث کے متعلق اس کے تحفظات کو بالکل پیش نظر نہیں رکھتا کیونکہ (اس کی نظر میں) وہ یعنی واٹ قرآن کے بعد سیرت ابن ہشام، مغازی، واقدی اور طبقات ابن سعد ابن ہشام پر اپنی نظر مرکوز رکھتا ہے۔ مصنف واٹ کے مرکزی موضوعات کی محض ایک جھلک دکھاتے ہوئے اور اس کی حاصل کردہ معلومات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے۔ ان موضوعات میں پیغمبر ﷺ کے معاشرتی، معاشی، اور قبائلی پس منظر کے ہمراہ آپ کی دعوت اسلام، آپ کی بنیادی تعلیمات، آپ کی کی گئی مخالفت اور آپ کی مشکلات کا ذکر بھی شامل کیا گیا ہے۔ ایک بڑے اور (شعوری طور پر) ایک منتخب موضوع کے طور پر واٹ نے بے بنیاد" شیطانی آیات" کو بھی بحث کے لیے چنا ہے۔ یہاں قاری حیرت محسوس کرتا ہے کہ مصنف، واٹ کی آراء اور اس کے مرتب کردہ نتائج کا کوئی تنقیدی جائزہ لیے بغیر ان کا محض ذکر کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر واٹ، حلف الفضول کے واقعہ کی اس لیے تردید کرتا ہے کہ (بقول اس کے) دستیاب شدہ تاریخی مواد اس کی تائید نہیں کرتا۔ یہاں قاری بجا طور پر توقع رکھتا ہے کہ ایسے معاملات پر مصنف خود اپنی رائے سے مستفید کرے گا(مگر ایسا نہیں ہوتا)۔

" محمد ﷺ کی ابتدائی زندگی" کے عنوان کے تحت واٹ کی تحریر کا مصنف صرف خلاصہ بیان کرتا ہے اور اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کرتا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ واٹ، حضور ﷺ کی بچپن کی زندگی کے بارے میں تمام قدیم مورخین ، واقدی، زہری اور ابن سعدوغیرہ کی معلومات کو تاریخی دستاویزات کے طور پر ماننے سے گریزاں ہے۔ اور حضرت خدیجہؓ جو روایات کے مطابق معاشرے کی ایک معزز خاتون مانی جاتی ہیں کو بھی ایسا ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ لیکن ان مفروضوں پر وہ یعنی مصنف خود کوئی تبصرہ یا تنقید کیے بغیر آگے نکل جاتا ہے۔ اس کے بعد اعلان نبوت پر واٹ نے جو کچھ لکھا ہے ، مصنف اس کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔ واٹ ، یہاں زہری کے بیان کردہ حقائق پر ، اس خیال سے کہ مختلف رپورٹوں میں تضاد ہے، شک ظاہر کرتا ہے۔ اس ضمن میں واٹ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ پیغمبر ﷺ ایک عرصہ سے ورقہ بن نوفل کے زیر اثر تھے اور پہلی وحی

میں (بقول اس کے) قلم کا ذکر اسی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مصنف اس دلچسپ قیاس بلکہ مفروضے پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔

کتاب کا تیسرا باب "محمد ﷺ مکہ میں" آنحضور ﷺ کی بنیادی تعلیمات اور اس وقت کے حالات سے متعلق ہے (۲۴۱-۲۴۴)۔ مصنف یہاں، واٹ کے اپنے ذرائع سے اخذ کردہ تسلسل کے فقدان اور بے بنیاد تضادات کا ذکر کرتا ہے۔ ان الجھنوں کو دور کرنے کے لیے اس نے قرآنی آیات کی زمانی ترتیب قائم کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ قرآن کے بیان کردہ دینی اصولوں اور دوسرے پیغمبروں کی کہانیوں سے دیگر مغربی دانشوروں کی طرح واٹ بھی بالکل یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سینہ بہ سینہ چلتی کہانیاں لوگوں سے سنیں اور بغیر کسی تنقید و تغیر کے انہیں اپنے قرآن میں شامل کر لیا۔ مصنف ان مفروضوں پر بھی تبصرہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔

بے بنیاد اور بدنام زمانہ "شیطانی آیات" مصنف کا سب سے بڑا موضوع ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ قاری یہاں مصنف سے واٹ پر اس حوالے سے ایک تفصیلی تنقیدی جائزے کی توقع کرتا ہے جس پر اس (واٹ) نے اپنے طور پر بڑی جستجو کے نتیجے میں ایک پورا باب لکھ ڈالا ہے۔ اس باب میں سیرت کے واقعات پر واٹ کے مبنی بر قیاس خیالات و نظریات اپنے عروج پر نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر "شیطانی آیات" کی تاریخی حیثیت منوانے اور ان کی تائید میں وہ یہاں تک کہہ جاتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے ہاں بھی توحید کا تصور واضح نہیں تھا اور وہ مشہور اور روشن خیال اپنے معاصرین کی طرح اس میں چھوٹے خداؤں کی شرکت کے سخت خلاف نہیں تھے۔ واٹ کے خیال کے مطابق "شیطانی آیات" محمد ﷺ کے خیالات کی ترجمانی کرتی ہے (نعوذ باللہ)۔ واٹ "شیطانی آیات" کو سچا ثابت کرنے کی ایک مجنونانہ کوشش کرتا ہے اور بت پرستی کو جائز ماننے میں آپ ﷺ کی زبانی اور عملی اسباب میں تائید کرتا ہے۔ مصنف واٹ کی ان حرکات کا بھی کوئی نوٹس لیے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے۔ مصنف، مسلمانوں کی مکی دور میں کی گئی مخالفت اور ان کی تکالیف کا ذکر کرتا ہے جن کے متعلق واٹ کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کو وہاں اصل میں کوئی ظلم اور زیادتی درپیش

نہ تھی اور یہ کہ یہ سب کچھ روایتی کہانیاں اور مبالغہ آمیز باتیں ہیں۔

واٹ کے دوسرے مقالے "محمد ﷺ مدینہ میں" پر صفحات ۲۴۶ تا ۲۷۸ پر بحث کی گئی ہے۔ یہاں بھی وہی طریقہ کارفرما ہے۔ یعنی پہلے کتاب کی ترتیب (ابواب کا تعارف اور ان کے مندرجات) پھر منتخب کردہ موضوعات، جن میں قریش اور دوسرے دشمنوں سے آویزش، صلح حدیبیہ اور اس کے نتائج، فتح مکہ، قبائل کے درمیان اتحاد و اخوت، یہودیوں کا مسئلہ، مدینہ کا آئین اور محمد ﷺ کی شخصیت وغیرہ شامل ہیں، پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف ان عنوانات کے تحت بھی واٹ کے نظریات کا خلاصہ بیان کرتا ہے مگر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ شامل کتاب نہیں کرتا۔

واٹ کی بیان کردہ بہت سی باتوں پر قاری مصنف سے اس کے اپنے تبصرے کی توقع کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جب واٹ کہتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے زیادتی کا آغاز کیا(۲۵۱) تو یہاں بھی مصنف کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔ اور جب واٹ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مکہ والوں میں اشتعال پیدا کرنا محمد ﷺ کی ایک شعوری کوشش تھی تو مصنف کو یہاں بھی تبصرہ کرنے کی کوئی توفیق نہیں ہوئی۔

مصنف چھٹے باب بعنوان "ماحاصل" کے ساتھ کتاب کو ختم کرتا ہے۔ اس باب میں وہ ایڈورڈ سیڈ، نارمن ڈینیل اوردوسرے لوگوں کی تحریروں کا حوالہ دے کر مشرقیت پر تبصرہ کرتا ہے اور اس کے بعد کتاب میں زیر بحث تین مغربی مصنفین پر اپنی طرف سے ایک نوٹ تحریر کرتا ہے جو زیادہ تر اس کے ان تبصروں کا خلاصہ ہے جو وہ پہلے ان پر کر چکا ہے۔

یہ کتاب ان تمام خامیوں کے باوجود سیرت کی بحث کے سلسلے میں تخلیق کیے گئے ادب میں ایک خوش آئند اضافہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس سے دوسرے ادیبوں اور سیرت نگاروں کو تحریک ملے گی اور وہ اس سلسلے کو وہاں سے شروع کر کے آگے بڑھائیں گے جہاں ڈاکٹر جابل نے اسے چھوڑا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن آف لیسٹر۔ اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد کی مستحق ہے۔